منشا یاد کے منتخب افسانوی کرداروں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

امت اللطیف[1]م ڈ اکٹرمنور ہاشمی**

Abstract:

"MUHAMMAD MANSHA YAAD is one of the great fiction writer among the writers of his age.He depicted the rural life of Punjab.His ten volumes of fiction have been published.Among these volumes of fiction many volumes having classical worth.Hepresented such type of characterization, among these characters,most of them are distinguished in characterization. These characters have become talk of the town.He created fiction T.V dramas as well as novels.He inagurated"Halqa-e-Arbab-e-Zoaq" in Islamabad which got praise and unique status among literery figures.Actually Mansha Yaad has circle of writing around villages life but in most of his volumes of fiction he presented a contrast between the rural and urban life.He reflected our social values, norms and traditions in such a strong way that our social values appear in extreme sense. This great writer died on 15th Oct 2012, but his art of characterization in fiction will alive forever among literary circle."

Key Words: A research and critical study of the selected fictional characters of Mansha Yaad.

منشا یاد اپنے ہم عصر فکشن نگاروں میں عظیم مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے پنجاب کی دیہی زندگی کی عکاسی کی ہے۔ ان کے دس افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں ۔ ا نہوں نے اپنے افسانوں میں عمدہ کردار نگاری کی جو انہیں فن کردار نگاری میں ممتاز کرتی ہے۔ ان کے یہ کردار مثالی ہیں۔ انہوں نے فکشن کے ساتھ ساتھ ٹی وی ڈرامے اور ناول بھی لکھے۔ انہوں نے اسلام آباد میں ''حلقہ ارباب ذوق'' کی بنیاد رکھی۔ جس کو ادبی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں دیہی زندگی کو موضوع بنایا ۔ لیکن اس کے ساتھ شہری اور دیہی زندگی کے تضاد کو پیش کیا۔ انہوں نے ہماری سماجی اقدار ، اخلاقیات اور روایات کو بہت گہرائی سے پیش کیا ۔ یہ عظیم فکشن نگار ۱۵؍اکتوبر ۲۰۱۲ءکو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ لیکن اردو کے افسانوی کرداروں میں ان کے لازوال کردار ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

منشا یاد پنجابی، زبان کی با کمال اور لازوال منظوم داستان ہیر کے مصنف وارث شاہ کے قصبہ جنڈیالہ شیر خاں ضلع شیخوپورہ کے نواحی گاؤں موضع ٹھٹھہ نستر فاروق آباد میں ۱۹۳۷ءمیں پیدا ہوئے۔ ان کے اردو فکشن میں دس افسانوی مجموعے ایک ناول،، ٹاواں ٹاواں تا را اور چند ٹی وی ڈرامے بھی شامل ہیں۔ منشا یاد کی ادبی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ ابھی ساتویں جماعت کے طالب علم تھے۔ انہیں بچپن سے ہی کہانیاں پڑھنے کا اور سننے کا بہت شوق تھا۔ یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچوں میں گہرا اور پختہ شعور نہیں ہوتا۔ ادبی زندگی کے آغاز کے بارے میں منشا یاد اپنی زیر تحریر خود نوشت ''یادیں'' میں لکھتے ہیں کہ:

''میٹرک کا امتحان دینے سے پہلے میری کہانیاں اور نظمیں بچوں کے رسالہ ''پندرہ روزہ ہدایت''

---

[1]پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر(اردو)، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی ،اسلام آباد
**ڈینی فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، نادرن یونیورسٹی، نوشہرہ

میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان دنوں اس کے ایڈیٹر سید نظر زیدی تھے اور بعد میں الطاف پرواز ایڈیٹر ہو گئے۔'' (۱)

منشایاد نے اسلام آباد کی تنرئین و تعمیر اور آرائش میں جیسی گراں قدر خدمات سر انجام دیں ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی طرح اس شہر کو تہذیبی بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ اسلام آباد میں حلقہ ارباب ذوق کا قیام ان کا ایک زریں کا رنامہ ہے۔ انہوں نے 1965-66ءمیں لکھنے والوں کی ''انجمن''کے نام سے '' ادبی انجمن'' یہاں منظم کی۔ یہ اس ''انجمن'' کی ایک شاخ تھی جو راولپنڈی میں واقع تھی۔ منشا یاد انتہائی متین شخصیت اور سراپا معصومیت کے حامل انسان تھے۔ سادگی اور یاسیت کے ساتھ ساتھ چہرے پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ ہمیشہ براجمان رہتی تھی۔ ہر کسی کو خندہ پیشانی سے ملنا اور مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہنا اس شخصیت کا خاصہ تھا۔ ان کی خوبصورتی کے بارے میں اسلم سراج الدین کا کہنا ہے کہ:

''ڈاکٹر سلیم اختر اور انتظار حسین تو منشا یاد ہی سے مل لینا کافی سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ منشا یاد میں خوب صورت لڑکیوں والی کوئی خوبی ہے۔ جو دوسروں کو اس کی طرف کھینچتی ہے۔''(۲)

بقول ڈاکٹر انوار احمد :

''وہ زندگی کو گملے میں سجانے اور افسانے کو اندھے کنویں میں لٹکانے کا قائل نہیں۔''(۳)

محمد منشا یاد ہمارے جدید افسانہ نگاروں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ وہ منٹو اور غلام عباس کے بعد بڑے افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے اس ادبی قد کاٹھ کے پیچھے ان کی انفرادیت ہے۔ منشا یاد کے افسانے ایک نئی سرزمین کی سیاحت کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ اپنی ندرت ،خوبصورت اندازِ بیاں،اپنی تازگی اور شگفتگی کے باعث اردو افسانے میں ایک نہایت خوشگوار اضافہ ہیں۔ منشا یاد نے اپنی زندگی میں سماج کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہیں۔ ان کے پاس موضوعات کے تنوع کے ساتھ ساتھ کرداروں کا بھی ایک ہجوم لگا ہوا ہے۔ وہ خود کو سامنے رکھ کر یا اس کو اپنے اوپر طاری کر کے لکھتے ہیں،بلکہ کہانی پن کو ہی مرکزی کردار بنائے رکھتے ہیں۔ منشا یاد کے کردار گاؤں کی سیدھی سادھی زندگی گزارنے والے ہر قسم کی آلودگی سے پاک فضا میں بسنے والے کردار مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ منشا یاد کے افسانوی کردار گاؤں کے مفلوک الحال لوگوں سے لے کر شہر کے ٹھیکیداروں ، اونچے گریڈوں کے افسراور اہلِ ثروت لوگوں کی جاہ و جلال کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ ان کے ہاں درمیانے طبقے اور زرعی سماج سے تعلق رکھنے والے کردار بھی ملتے ہیں۔ لیکن دیہات سے ابھرنے والے کردار شہری ماحول کے کرداروں کی نسبت زیادہ پر اثر ، توانا اور ہمیشہ زندہ رہ کر لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر حکومت کرتے رہیں گے۔محمدمنشا یاد کے بیشتر افسانے کرداروں کی ذات میں تہلکہ مچانے والے طوفان کا نفسیاتی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے کردار کے اعمال کو سہارا بنانے کی بجائے براہِ راست اس کی ذات کا نفسیاتی تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

منشا یاد اپنے کرداروں کی روح، ذہن، خواہشوں ، نارسا تمناؤں اور دکھوں کا گہرا مطالعہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے سا تھ ان کی اپنی شناخت کرتے ہیں ۔ جس سے قاری کو ان کے کرداروں کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ منشا یاد جب کرداروں کے اندر چھپی ہوئی، خباثتوں ، منافقتوں، خود غرضیوں اور انسانیت سوز تاریکیوں کو دیکھتا ہے تو انہیں طشت از بام کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ منشا جب کسی انسان میں احترام و محبت کی خوشبو کی بجائے بظاہر نفرت کی غلاظت دیکھتا ہے تو تلملا اُٹھتا ہے۔ منشا یاد کے افسانوی کردار بڑی وضاحت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔اور ہمارے دل اور دماغ پر اپنا گہرا اثر چھوڑے چلے جاتے ہیں۔:منشا یاد کے ہاں ایسے کردار بھی موجود ہیں، جو لازوال کردار ہیں اور منشا یادکی ہی نہیں اردو افسانے کی بھی زینت ہیں۔ افسانوی کرداروں میں علامت کا بھی بہت عمل دخل ہے ۔ انہوں نے علامت کو علامت کے طور پر ہی پیش کیا ہے۔

''راستے بند ہیں''

''راستے بند ہیں'' منشا یاد کے دوسرے افسانوی مجموعہ ''ماس اور مٹی''کا پہلا افسانہ ہے ۔اس افسانے کے مرکزی کردار کا کوئی نام نہیں بتایا گیا۔ اس کے باوجود ہم اسے آسانی سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ صدیوں پرانا آدمی ہے جو بھوکا ہے۔ جو خوشی کا ، روٹی کا ، سکون کا ، ہمدردی ، پیار اور سب سے بڑھ کر آزادی کا بھوکا ہے۔ ''وہ''حقیقت میں (پاکستان) میں بسنے والا غریب اور مفلوک الحال انسان ہے۔ جس کی بد قسمتی یہ ہے کہ اس نے زمین سے اُگنے والی نعمتوں کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ لیکن اس کے باوجود ''وہ میلہ دیکھنے آیا ہوا ہے۔ اور اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں۔''(۴)

اس کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ اس نے اس زندگی کا ، اس بھوک کا انتخاب نہیں کیا بلکہ یہ اس پر مسلط ہو گئی اور اب اس صورتِ حال سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔اس کردار کی پیشکش میں منشا یاد نے بڑی فنی مہارت اور ذکاوت کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے اس کردار کا کوئی نام نہیں بتایا۔ کیونکہ''وہ'' کوئی ایک فرد نہیں ہے۔ بلکہ ایک طبقہ ہے پھر یہ بھی ہے کہ جس طبقے سے اس کا تعلق ہے وہاں نام ہوتے ہوئے بھی گم نامی مقدر رہتی ہے۔ منشا یاد نے اس کردارکی الجھی ہوئی سائیکی کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت کی دو لختی کو بڑے فنکارانہ انداز میں نمایاں کیا ہے۔ یوں یہ کردار ''بے نام'' ہوتے ہوئے بھی ایک پورے طبقے کا نمائندہ بن جاتا ہے۔

''کوڈو فقیرکچی پکی قبریں'' کا شمار منشا یاد کے چند نہایت ہی اہم اور نمائندہ افسانوں میں ہوتا ہے۔ اس افسانے کا کردار ''کوڈو فقیر''اُردو افسانے کا ایک منفرد کردار ہے۔ ''کوڈو '' اس کا اصل نام نہیں ہے۔ ''کوڈو''نام ہی سے ظاہر ہے کہ مراعات یافتہ طبقے سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ ''کوڑی''کی حیثیت کا مالک ہے اور اس طبقے میں کوئی مضحکہ خیز حوالہ یا پُر تحقیر ضرورت ہی نام کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

''جب وہ چھوٹا تھا چلتے وقت اس کے ٹخنے آپس میں ٹکرانے لگے تو اس کی ماں نے دھاگے میں پرو کر ایک کوڈی (کوڑی) اس کے ٹخنے سے باندھ دی اور اس کا نام کوڈ و پڑ گیا۔''(۵)

''کوڈ و فقیر''ایک گورکن کا بیٹا ہے اس کا مسکن قبرستان ہے جو اس کے لئے پوری دُنیا کے مترادف ہے۔ ''کوڈو'' فقیر بھی دل، احساسات اور جذبات رکھتا ہے۔ اسی لئے تو اس کے دل میں چوہدری بخشے کی بیٹی نوراں کے عشق کی آگ دہک اُٹھی ہے جس کے حُسن و جمال کی دھوم بارہ بارہ کوس تک پھیل گئی ہے۔ کوڈو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہے کیوں کہ وہ نوراں کے عشق میں مبتلا ہے۔ اُسے اپنے بارے میں معلوم بھی ہے کہ ایک غریب بھیک منگا ، یتیم ، قبرستان کا حقیر فقیر ہے جس کے سیاہ اور میلے جسم پر مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ اپنے آپ کو سرزنش بھی کرتا ہے۔

''طوطیا من موطیا، کوڈو فقیر ا باز آ، اس گلی نہ جا اس گلی کے لوگ ظالم تجھے پھاہی(پھندا)پالیں گے۔ ''(۶)

لیکن محبت کا جذبہ عمر، حیثیت ، اور حسب و نسب کا پابند نہیں ہوتا ۔ کوڈو بھی نوراں سے عشق میں اپنے آپ کو دوسرے عاشقوں میں سب سے زیادہ معتبر اور خوش نصیب سمجھتا ہے کیوں کہ :

''کوڈو فقیر سارے عاشقوں اور پرستاروں سے زیادہ خوش نصیب ہے ۔ وہ بھیک مانگنے کے لئے ہر روز چوہدری بخشے کی حویلی میں جاتا اور نوراں کا دیدار کرتا ہے۔ ''(۷)

''دتا کمہا ر'' منشا یاد کا افسانہ ''پانی میں گھرا ہوا پانی'' آدمی کی کم یابی کی کہانی ہے۔ آدمی گھگھو گھوڑے بنا سکتا ہے۔ بیل بنا سکتا ہے۔ بندر بنا سکتا ہے۔ آدمی آدمی نہیں بنا سکتا ۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ''دتا'' ایک کمہار ہے۔ اپنے پیشے کے اعتبار سے وہ ہر وقت چکنی مٹی سے کھیلتا رہنا ہے۔ گھوڑے بیل بندر بناتا ہے۔ قدرت نے خود اسے آدمی تو بنایا لیکن پورا آدمی نہیں ۔ تخلیق کے مادے سے محروم آدمی ایک بانجھ مرد۔ اپنی اس کمی کا اسے شدت سے احساس ہے اس لئے وہ لوگوں میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ الگ تھلگ رہتاہے۔ اور کلر زدہ سنسان جگہ پر شرینہ (سرس) کے درخت کے نیچے بیٹھا ، گھوڑے ، بیل اور بندر بنا تا ہے۔ شرینہ کا یہ درخت بھی ٹنڈ منڈ ہے۔''دتے'' کمہار کی

طرح اس کی ساری ہری بھری شاخیں گاؤں بھر میں بچوں کی پیدائش کی خوشی میں گھروں کے دروازوں پر سج گئیں ۔ لیکن ''دتا'' تو کبھی ہرا ہوا ہی نہیں۔ اس لئے گاؤں بھر کے لوگوں کی حقارت آمیز نظریں اس کے وجود میں نوکیلی شاخوں کی طرح گڑی رہتیں۔صرف گاؤں بھر کے سامنے اس کی نظریں نیچی نہیں رہتی بلکہ اپنی بیوی کے سامنے بھی وہ شرمسار سا رہتا ہے۔ ایک زندہ جیتا جاگتا بچہ اپنے آنگن میں کھیلتے دیکھنے کی تشنہ آرزو اسے مٹی کا باوا بنانے پر اکساتی ہے۔ جس کو دیکھ کر ''زیناں'' حیران رہ جائے اور اس کی ہنر اور کاریگری کی تعریف کرے۔ ''زیناں'' کو وہ اس لئے حیران کرنا چاہتا ہے کہ بھینس اور گدھی کے عوض خریدی ہوئی اس عورت کی جذباتی اور جبلتی تسکین کا سامان کرنے میں وہ ناکام ہے۔ اس کی یہ خواہش دراصل اپنی کمزوری کی تلافی کی ایک کوشش ہے۔

''ناتوسانسی'' منشا یاد کے افسانوی مجموعہ'' ماس اور مٹی'' کامرکزی کردار ہے۔ منشا یاد نے اپنے بہت سے افسانوں میں بھوک کو موضوع بنایا ہے۔''ماس اور مٹی'' کا مرکزی نقطہ بھی یہی بھوک ہے۔''ناتو سانسی''ماس اور مٹی کی گرد سے اٹی ہوئی مردار خور دنیا میں وہ اپنے حصے کی روزی تلاش کرتا پھررہا ہے۔ وہ انتہائی خود سر ہے۔ سینہ زوری اور چوری چکاری کے ذریعے اپنے پیٹ کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی ہٹ دھرمی اور آرام طلبی کا عالم یہ ہے کہ:

> ''شیرو اس کا باپ تھا۔ باپ بیٹادونوں کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ کام نہ کرنا ان کی خاندانی روایت تھی۔ وہ چوری کر سکتے تھے، ڈاکہ ڈال سکتے تھے، قتل کر سکتے تھے۔ شکار کھیل سکتے تھے۔ مگر کام کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ عالمے اور مادو کی جمع کی ہوئی بھیک مزے لے لے کر اُڑاتے مگر خود بھیک نہیں مانگتے تھے۔ مانگ ہی نہیں سکتے تھے۔''(۸)

یہاں منشا یاد نے ''ناتو'' کی نفسیات اور مزاج کو اس طبقے کی عمومی نفسیات کے تناظر میں لکھا ہے:

> ''چوہڑوں ، سانسیوں ، اور آبادی سے ہٹ کر رہنے والوں میں ایک خاص طرح کی اکڑ ہوتی ہے وہ انہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے باز رکھتی ہے۔''(۹)

''ناتو'' میں بھی یہ جھوٹی اکڑ اور ہٹ دھرمی ہے جو اس کے روز مرہ کے رویے سے ظاہر ہوتی ہے۔ ''بچہ جمورا'' منشا یاد کے خوبصورت افسانے تماشا کا کردارہے جو افسانوی مجموعہ ''خلا اندر خلا'' میں شامل ہے۔ منشا یاد کا بے مثال افسانہ ''تماشا'' جس کے بارے میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے:

> ''بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ہم کوئی کہانی پڑھ کر دم بخود ہو کر رہ جائیں یا ذہن کا سارا خون ایک نقطے پر سمٹ آئے۔''(۱۰)

مداری اور بچہ جمورا دو افراد نہیں بلکہ علامت ہیں اور یہ علامت یک سطحی نہیں ہے اس کی کئی سطحیں ہیں۔ باپ علامت ہے۔ قدیم تہذیب کی، سماج کی اور ایک بے روح سماج کے فن کار کی۔ اپنے پرانے تہذیبی تصورات سمیت وہ زندگی کا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ تصورات جن میں اعلیٰ اخلاقی قدریں تھیں۔ جب سماج کی حیثیت ایک انگلی پکڑ کر راستہ دکھانے والے باپ کی سی تھی۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر باپ کا کردار علامت ہے ایسے سماج کے فنکار کی جو سماجی تعصبات اور تضادات کے باعث تعفن زدہ ہو گیا ہے۔ ایک حبس آلودہ سماج جس علم و فن کی قدر نہیں رہی۔ فن کی آبیاری تو بہت دور کی بات ہے۔ علوم و فنون جو نیکی، خیر، سچ اور محبت کی علامت ہیں۔ جب یہ معدوم ہو جاتے ہیں تو فن کار ان کو زندہ رکھنے کی تگ و دو میں ہانپ جاتا ہے۔ یہی حال باپ کا ہوا اس کا بازو ڈگڈگی بجاتے بجاتے شل ہو گیا۔ بانسری میں پھونک مار مار کر اس کا اندر خالی ہو گیا۔ لیکن تحسین کے کلمات سنائی نہیں دیتے ۔ اور با لآخر وہ الم ناک صورتِ حال جنم لیتی ہے کہ فن کار اپنے ہاتھوں سے اپنے فن کو ذبح کر دیتا ہے۔ اس افسانے میں باپ کا کردار اس بے بس فنکار کا ہے ۔ لیکن ''بچہ جمورا'' کا کردار بے حد معنی خیز ہے۔''بچہ جمورا'' کیا نہیں؟ یہ وہ اعلیٰ اخلاقی ، تہذیبی ، اور ثقافتی اقدار ہیں جو اپنے پنپنے کے لئے ساز گار ماحول کی آرزو کرتی ہیں۔ ان تہذیبی و ثقافتی قدروں کی معصومیت ، بے ریائی اور سچائی''بچہ جمورا'' کی شکل میں مشخص کی گئی ہے۔ یہ ''بچہ جمورا'' حیرت زدہ

ہے۔کہ زندہ جیتی جاگتی بستی میں اس کے لئے کوئی جگہ کیوں نہیں ۔ یہ سماج کس آسیب کے شکنجے میں ہے۔ جس نے لطافت ، انسان دوستی، خلوص، محبت ، سچ اور خیر کو خیر باد کہہ دیاہے۔ ''بچہ جمورا'' کے معصومانہ سوال اس سماج کے چہرے پر ایک بڑا سوالیہ نشان کھرچتے ہیں۔ ''بچہ جمورا'' ان سوالات کی پاداش میں اس انجام سے دوچار ہوتاہے۔

''جمورا خون میں لت پت ہے اور اس کی گردن سچ مچ کٹی پڑی ہے۔ اس کی چیخیں ساری بستی میں گونجنے لگتی ہیں۔''(۱۱)

معاشرہ ایسے انسانوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ جو اقدار کی لذت سے آشنا تھے اور اس کے شیدائی تھے۔ یہ اقدار روحانی بھی ہو سکتی ہیں اور سماجی و سیاسی بھی اس عہد میں کسی بچے کو رہنے ہی نہیں دیتے ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ ''بچہ جمورا'' کا المناک انجام دراصل فن کی موت ہے۔ یہ وہ موت ہے جو اس کردار کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتی ہے۔ ''تماشا'' ایک عام سی کہانی لگتی ہے۔لیکن اس عام کہانی کے بارے میں آفتاب اقبال شمیم کی رائے کچھ یوں ہے:

''تماشا بھی ایک بے پناہ افسانہ ہے جو دیکھنے میں تو ایک عام سی کہانی لگتی ہے۔ لیکن افسانہ نگاری کی علامت تدبیر کاری نے اسے آج کے میڈیا اور ماس کلچر کی جبریت کی ایک مثالی تصویر بنا دیا ہے۔ کہ یہ کلچر کس طرح فنکار کو اپنے گلے پر چھری پھیرنے پر مجبور کر دیتاہے۔یہ تو اس افسانے کی ایک توجیہہ ہے لیکن علامتی طرزِ اظہار کی خوبی یہ ہے کہ اسی افسانے میں نئی سے نئی توجیہات کا ایک در کھُلا ہوا ہے۔''(۱۲)

''دولو فقیر''(سارنگی) وقت سمندرمجموعہ کی سب سے منفرد اور دلفریب کہانی ہے۔ یہ کہانی دیہاتی پس منظر میں لکھی گئی۔ اس کہانی کو زندہ رکھنے والا مرکزی کردار '' دولو فقیر'' ہے سارنگی بجا کر بھیک مانگتا ہے۔

''دولو'' نوجوان تھا۔ لیکن اسے سارنگی بجانے میں استاد انہ مہارت تھی---- سارنگی سرگوشیاں کرتی کبھی سسکتی ، کبھی رو کر پکارتی ۔''(۱۳)

یہاں تک کہ نوجوانی سے بڑھاپے تک سفر کرتا یہ کردار اپنی شخصیت کے بنیادی اور سحر انگیز وصف محبت کی آگ میں سُلگتے رہنے کی بدولت بڑا دلکش کردار بن جاتا ہے۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہونے اور ناتوانی کی آخری حد کو چھونے کے باوجود بھی وہ درِ محبوب پر جا کر اپنے دل کے درد کو سارنگی کے سُروں میں ڈھال کر سنانے کی بجائے اس کی سارنگی سننے کی خواہش اور آرزو کی تسکین کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس افسانے میں محبت کے پیچ در پیچ سلسلے کو بیان کیا گیا ہے۔ '' دولو''کم حیثیتی کے باوجود دل کی بے اختیاری پر قابو نہیں رکھ پاتاوہ خود کہتا ہے:

''جی میں دوسرے تیسرے مہینے اس طرف کا پھیرا ضرور لگاتا تھا۔ بڑی نیک سخی عورت تھی۔ میں جب کبھی اس طرف جاتا سیدھا ان کے دروازے پر جا کر سارنگی بجانے لگتا ۔ فوراً آ جاتیں۔ آہٹ سے پتہ چلتا آگئی ہیں۔ آخری روز بھی سارنگی سُننے کی خواہش کی ۔ چوہدری نے میرے پیچھے آدمی دوڑایا --- مگر جی میں قسمت کا مارا دریا پار گیا ہوا تھا۔ مجھے پتہ ہی نہ چلا ، اوپر سے بے وقوفی ہو گئی جی--- تیسرے چوتھے روز واپس آیا تو سیدھا دروازے پر جا کرسارنگی بجانے لگا۔ اندر سے آواز آئی کہیں اور جا کر بجاؤ یہ ماتم والا گھر ہے--- میرے تو جی ہوش اُڑ گئے۔''(۱۴)

اور اسی لئے دل کی بے اختیاری کو زبان بھی نہیں دے پاتا لیکن اس کے پاس اظہار کا ایک نہایت خوب صورت وسیلہ تھا۔

''سکینہ'' اور ''غفوراں'' شجرِ بے سایہ منشا یا دکے افسانوی مجموعہ ''درخت آدمی'' کا پہلا افسانہ ہے۔ دیہات کے پس منظر میں لکھی گئی اس کہانی کے بیشتر کردار بھی اُجڈ اور خونخوار طبیعت کے مالک ہیں۔ اس کہانی کا مرکزی کردار ''غفوراں'' ہے۔ جو محبت کرنے کی پاداش میں مار دی جاتی ہے۔ اس کے اس طرح مار دئیے جانے پر کسی فرد کی آنکھ سے آنسو تک نہیں بہا۔ غفوراں خاندانی رسم

و رواج ، طبقاتی اونچ نیچ اور نام نہاد غیرت مندی کے ظالمانہ بندھوں میں بندھی عورتوں کی نمائندہ ہے۔ بے جا بندشیں فطرت ، جذبات و احساسات کو قید نہیں کر سکتیں۔ محبت وہ طاقت ور جذبہ ہے جو عورت کو بے خوف کر دیتا ہے۔ وہ اس کی سرشاری میں بھول جاتی ہے کہ یہ مردانہ سماج اس کے لئے سازگار نہیں ہے۔ منشا یاد کے نسوانی کردار اگرچہ ایسے سماج میں سانس لیتے ہیں۔ جہاں مرد کی برتری نے زندگی کی لطافتوں پر ان کا حق کسی قدر چھین لیا ہے۔ لیکن وہ عموماً اس ماحول سے سمجھوتہ کرنے کے باوجود اپنے ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ اور احساس دلاتے ہی نہیں، بغاوت بھی کر لیتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی بغاوت ان کے لئے ثمر بار ہوتی ہے یا نہیں۔ غفوراں بھی ایک ایسا ہی کردار ہے۔ غفوراں نسلی اعتبار سے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے جس کے بارے میں۔

''گاؤں کے بڑے بو ڑھوں کا کہنا ہے کہ یہ خاندان پر انے زمانے کے کسی ایسے غیر ملکی حملہ آور قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ جو جسمانی خوبصورتی میں لاثانی تھا۔ خصوصاًان کی عورتیں حسن وجمال میں نہایت ممتاز حیثیت کی حامل ہوتی ہیں۔''(۱۵)

''بیگی'' کا کردار افسانہ ''پنج کلیان''منشا یاد کے افسانوی مجموعہ''درخت آدمی'' کا ترتیب کے لحاظ سے پانچواں افسانہ ہے۔ منشا یاد نے''پنج کلیان'' میں خاص طور پر اس رویّے کی نشاندہی کی ہے۔ جو عام طور پر انسان اور کسی حد تک جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے، وہ ہے عدم تحفظ کا احساس ۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ''بیگی'' ہے۔ جس کا اصل نام بیگماں تھا۔ بیگماں دیہات کی رہنے والی ایک دل کش لڑکی ہے مگر :

''جو شیلی ، غصیلی اور ضدی ، غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔''(۱۶)

وہ پڑھی لکھی نہیں ہے لیکن اپنی شکل وصورت کی دل کشی کی وجہ سے اسے اپنی اہمیت کا بے حد احساس ہے۔ اس لئے وہ کسی کو اپنے سامنے کچھ نہیں گردانتی۔

''اس نے خلافِ معمول منہ پر بے ڈھنگے پن سے بہت سا سرخی پاؤڈر تھو نپا ہوا تھا۔ اور سستے قسم کے شوخ اور چمکیلے کپڑے پہن رکھے تھے--- آپا اندر سے نکلیں تو اسے دیکھ کر ان کی ہنسی چھوٹ گئی کہنے لگیں--- ''بیگی'' تجھے کیا ہوا ہے۔''(۱۷)

وہ اپنے شہر میں پڑھ لکھ کر بابو بن جانے والے منگیتر کے بارے میں بے حد حساس ہے۔ اس حساسیت کی ایک وجہ دراصل وہ احساس کمتری ہے جو ان پڑھ ہونے اور شہری ادب آداب سے ناواقف ہونے کی بنا پر اس کے اندر موجود ہے۔ جس پر اس نے بد زبانی ، غصے کا پردہ ڈال رکھا ہے۔ منگیتر کے ساتھ تعلیم یافتہ شہری لڑکی صبیحہ جب گاؤں آ تی ہے تو وہ عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور خود کو ماڈرن اور خوبصورت بنانے کی تگ و دو میں مضحکہ خیزبنا لیتی ہے حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔

''اس نے کوئی مزاحمت نہ کی جب وہ بھیگی چڑیا کی طرح دوبارہ آ کر بیٹھ گئی۔ تو میں نے دیکھا میک اپ اتر جانے کے بعد اس کا چہرہ چنبے کی کلی کی طرح چٹک رہا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے خوف کا ہلکا سا سایہ صبیحہ کے چہرے پر ابھرا پھر اس کی مسکراہٹ میں جذب ہو گیا۔''(۱۸)

عدم تحفظ کے اس احساس کے باعث پہلے تو وہ روتی پیٹتی ، چیختی چلاتی ہے۔ لیکن پھر یک لخت بپھرجاتی ہے۔ آفت مچا دیتی ہے۔ یہاں ''بیگی'' اور ''پنج کلیان'' ایک ہو جاتے ہیں۔

''پنج کلیان ایک بھینس ہے جس کے چاروں کھُر اور ماتھا سفید ہو ،کلیوں کی طرح اُجلا--- ایسی بھینس کو خوبصورت سمجھا جاتا ہے---- بہت خوبصورت تھی۔ مگر مارنے والی تھی۔''(۱۹)

''بیگی'' کا جذباتی پن اسے ایک عجیب اور خطرناک حرکت پر آمادہ کرتا ہے۔ وہ گاؤں کی سب سے خطرناک اور مارنے والی بھینس کے کمرے میں گھُس جاتی ہے۔ لیکن کنڈی کھلنے پر ایک عجیب منظر سامنے آتا ہے۔

''میں آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مارنے والی''پنج کلیان'' بھینس ایک طرف کھڑی جگالی کر رہی ہے۔ اور بیگی اس کی گردن سے لپٹ کر رو رہی ہے۔''(۲۰)

''پنج کلیان'' منشا یاد کی ہمدردی اور دل سوزی کے روشن لمحے کی کہانی ہے جو اجڑے ہوئے

لوگوں اور مردہ دلوں کو پھر سے آباد اور زندہ رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کا یقین ہے کہ انہیں توجہ اور تحفظ کا احساس خوف سے نجات دلا سکتا ہے۔ اور ان کی کایا بھی پلٹ سکتی ہے۔ شادی کے بعد ''بیگی'' کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اورسچ مچ بیگی بن جاتی ہے۔خوبصورت محبت کرنے والی خدمت گزار عورت ۔ اگر انسان جانور وں سے محبت کرے تو ''پنج کلیان'' جیسی بھینس بھی انسان کی دوست اور وفا دار بن سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے اندر سے بھی چھُری کا خوف ختم کر دیا جائے۔

''کرمومالی'' ''درخت آدمی''منشا یاد کا پانچواں افسانوی مجموعہ کی کہانی کا کردار ہے۔ اس مجموعے میں منشایاد نے ''درخت آدمی'' کے نام سے ایک خوبصورت کہانی لکھی ہے۔''درخت آدمی'' بظاہر ایک سادہ سی کہانی ہے۔ لیکن اس کہانی کے اندر پوشیدہ انسان اور فطرت کا تعلق بہت ہی حیرت انگیز اور روح پر ور ہے۔ منشا یاد نے یہ کہانی دیہاتی پس منظر میں لکھی ہے۔ منشا یاد ماحول کو اپنے پورے وجود کے ساتھ محسوس کر کے کہانی لکھتا ہے اور قاری کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اند رسے واقعات، سانحات اور کرداروں کی بالائی سطح تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس بنیادی ساخت تک پہنچاتے ہیں جس سے اس کی نمود ہوتی ہے۔ یہ کہانی بابائے اردو مولوی عبدالحق کے ''دیو نام مالی'' کی کہانی کی طرح ہے۔ لیکن جب ہم اس کی تہہ میں اترتے ہیں تو معلوم ہو تا ہے کہ ہم اجتماعی لاشعور سے مربوط ہو چکے ہیں۔ اس کامرکزی کردار ''کرمو مالی'' ہے جو ایک سادہ طبیعت اور محنتی انسان ہے۔ ''کرمو''درختوں اور پودوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اس نے اپنی ساری زندگی ان کی آبیاری اور سنوارے میں گزاری۔

> ''درخت ''کرمو کی کمزوری تھے۔ وہ کسی بھی قسم کے درخت کو کٹتے یا گرتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ وہ باغ کے درختوں کی چھنگائی بھی اس احتیاط سے کرتا ۔ جیسے ماہر حجام بال تراشتے ہیں۔ جب کبھی وہ کسی درخت کے کٹنے کی خبر سنتا اسے اتنا ہی صدمہ ہوتا جتنا کسی عزیز کے مرنے پر ہو سکتا ہے۔''(۲۱)

اگرچہ وہ پڑھا لکھا نہیں تھا۔ پھر بھی یہ وسیع معلومات عمر بھر کے تجربے اور درختوں سے والہانہ محبت کی دین ہے۔ ''کرمو مالی'' کی درختوں سے محبت کے پیچھے اس کی نجی زندگی کی حقیقتیں اور مسائل بھی نظر آتے ہیں۔وہ تنہا آدمی ہے۔ اپنی تنہائی کو بانٹتا ہے۔ درختوں کے ساتھ وہ ان سے باتیں کرتا ہے۔

''کرمو'' کو اپنے اس باغ سے جو محبت و انسیت تھی وہ کہیں بھی اسے میسر نہ ہو سکتی تھی اگرچہ وہ بہت خوش مزاج تھا۔ ''کرمو''کی درختوں سے والہانہ محبت کا یہ عالم تھا کہ اُسے جہاں بھی نامفید اور نکمے درخت نظر آتے وہ ان کی بھی قدر کرتا۔ اس کے پس منظر میں بے اولاد ہونے کا دکھ بھی موجود ہے۔ منشا یاد نے اس کردار کو محبت، پیار اور انسیت کے ساتھ بے بسی اور بے چارگی کا نمونہ بنا دیا۔وہ محبت کے ہاتھوں بھی بے بس ہے اور اپنی سماجی حیثیت کے ہاتھوں بھی۔

''تانی'' ''ساجھے کا کھیت''دیہاتی پسِ منظر میں لکھی بہت تلخ اور کڑوی کہانی ہے۔ بد قسمتی سے دیہی معاشرے میں اکثر ایسی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ ''ساجھے کا کھیت''کردار اور سوچ کی گندگی، نجاست اور اس کے نتیجے میں ملنے والے انتقام کی کہانی ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار سلطانہ عرف ''تانی'' ہے جو غریب ،کمزور اور لاوارث ہے۔ غربت کی بھٹی میں جلنے والی ایک بار گھر سے اُپلوں کے لئے گوبر جمع کرنے نکلی تو گاؤں کے خونخوار ، لمبی تھوتھنی، تیز نوکیلے دانتوں اور رال ٹپکاتی زبانوں والے ذیلداروں ، چوہدریوں اور ان کے بھیڑیوں کی زمین دوز بھٹ میں پہنچا دی گئی۔ ان کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ اس کا گوشت نوچ کر اُسے گوبر سے بھی زیادہ غلیظ بنا دیا گیا۔معاشرتی کم ظرفی ، اور بے حسی کا یہ عالم تھا کہ ہر روز ایک نیا خریدار اُسے خریدتا اور پھر آگے اس کی ترسیل کر دی جاتی ۔ بکتے بکتے وہ ایک چھوٹے زمیندار چوہدری شریف کی جھولی میں پہنچا دی گئی۔ چوہدری کے گھر والوں کے دباؤکی وجہ سے وہ ''تانی'' کو ''موجو موچی ''کے نکاح میں دینے کا فیصلہ کرتا ہے کہ ''موجو''کے پاس ''تانی'' کا ہونا دراصل مراد شریف کے پاس ہی ہونا ہے۔ اس لئے اس نے:

''تانی''کو ''موجو موچی''کے نکاح میں دے دیا اور اس ڈر سے کہ وہ بھوکی مر نہ جائے یا کسی قابل نہ رہے ، جہیز کے طور پر کھیت بھی حصے پر دے دیا۔''(۲۲)

''ساجھے داری'' کے دوران ''تانی''نے تین بیٹیوں کو جنم دیا اور موجو کے گھر میں خوشحالی کی فصل لہلہانے لگی۔ تانی منشایاد کا ایسا کردار ہے جس کے اندر مزاحمت سر اٹھاتی ہے۔ جو انتقام کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جو اپنی ساکھ مضبوط ہونے پر ایک ایسی چنگھاڑ نکالتی ہے اور اپنا سر اُٹھا کر پیش منظر کو اپنی مٹھی میں قید کر لیتی ہے۔ تانی بھی گوبر سے انسان کی جون میں لوٹتی ہے۔عورت کے پاس جب لُٹانے کو کچھ نہیں رہتا یا وہ بڑے لوگوں کی دکھتی رگ پر اپنا انگوٹھا رکھ دیتی ہے تو وہ بہت بہادر اور نڈر ہو جاتی ہے۔انتقامی جذبہ عود کر آتا ہے اور چودھریوں اور ذیلداروں کو ان کے بھیانک چہرے کے ہی آئینوں میں دکھانے میں کوئی تامل نہیں کرتی۔ ''تانی''جس نے چودھری شریف جیسے شخص کے ساتھ جوانی کے خوبصورت ایام ذلت کی بھٹی میں گزارے تھے۔ اس کو اگلے روز نائیوں کے گھر میں ملی اور اس کی باتیں بڑے مطمئن انداز سے سُنتی رہی پھر اپنے اندر کے چھپے ہوئے برسوں کے انتقامی لاوے کو باہر نکالا۔ اس کو ماضی یاد دلایا کہ کس طرح وہ اس کے ساتھ سلوک کیا کرتا تھا۔

''تمہیں یاد ہے چودھری تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے۔ کیسی کیسی غلیظ خواہشیں --اور کیسے رکھتے تھے مجھے جیسے کُتیا تھی۔ چودھری میں بھی کسی کی بیٹی تھی۔ مگر تم نے اور تمہارے جیسوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔''(۲۳)

یہاں تانی کے اندر کی روتی ، کُرلاتی بے بس عورت کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

''میں تو بڑی معصوم اور پاک تھی۔ صرف کمزور او ر غریب تھی۔گھر سے اُپلوں کے لئے گوبر جمع کرنے نکلی تھی تم لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی اور مجھے گوبر سے بھی بد تر چیز بنا دیا گیا۔''(۲۴)

یہاں تانی بڑی ہمت ، جرأت کے ساتھ اپنے گرد چودھریوں ، ذیلداروں اور ان کی اولادوں کا پھیلا ہوا شیطانی جال ہاتھ کے ایک غضبناک جھٹکے سے توڑ دیتی ہے۔جب چودھری شریف اس کی منجھلی بیٹی پر اپنی حریص نظریں گاڑتا ہے تو ایک زور دار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کرتی ہے یہ بتا کر کہ:

''تمہیں منجھلی کا نام لیتے ہوئے شرم آنی چاہئے وہ تمہاری بیٹی ہے۔ بڑی ساتھ والے گاؤں کے ذیلدار کی، چھوٹی کا مجھے کچھ اندازہ نہیں تمہاری ہے یا کسی کی۔ مگر دیکھو میں نے تم چودھریوناور ذیلداروں کی بیٹیوں کو کتنے اچھے طریقے سے رکھا ہوا ہے۔ ''(۲۵)

''تانی'' کا کردار بظاہر دولت کی ہوس میں بے غیرتی اور بے کرداری کی دلدل میں پھنسا نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے درد کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ انسان ہوتے ہوئے بھی ''ساجھے کا کھیت''بنا دی گئی لیکن ''ساجھے داری'' کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فصل کو مہنگے داموں بیچ کر اس نے اپنی بربادی کا بدلہ نام نہاد شرفا سے جس طرح لیا وہ اسے منشا کے نسوانی کرداروں میں ایک نمایاں کردار بنا دیتا ہے۔

''موجو موچی'' ''ساجھے کے کھیت'' کا مردانہ کردار اس طبقے کی نمائندگی کرتا ہے،جو جاگیرداروں ، ذیلداروں کے تکبر اور سفاکی کا نشانہ بنتا ہے۔ جو انتہائی مظلوم ، بے توقیر جس کی گانٹھی ہوئی یا بنائی ہوئی جوتی زمینداروں کے پیروں کوکاٹتی یا پسندنہ آتی وہ جوتی اس کے سر پر توڑ دی جاتی۔

''وہ ایک مسکین سادہ اور نمازی آدمی تھا مگر اتنا مفلس اور اکیلا کہ اس کے گھر میں چوہے بھوکوں مرتے ۔ ساری برادری میں اُسے کوئی رشتہ نہ دیتا تھا۔''(۲۶)

اگر موجو موچی اس مخصوص سماجی ماحول میں گندی نالی میں زندگی گزارنے والے ادنیٰ جانوروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن وہ ''انسان''تھا اس کی''ضروریات ''اور خواہشات کسی ساتھی کو طلب کرتی تھیں۔

''شریف عرف شرفو'' ''کھلونے روتے ہیں'' منشا یاد کے افسانوی مجموعہ ''اک کنکر ٹھہرے پانی میں'' کاکردار ہے۔

اکتوبر 2005ءکے تباہ کن زلزلے کے پس منظر میں لکھا ہوا یہ افسانہ دلگداختی کے کئی منظر اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔اس کا مرکزی کردار شریف عرف شرفو نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ شخصی اعتبار سے ناقابلِ توجہ اس پر مستزاد یہ کہ ڈرپوک اور وہمی قسم کا انسان ہے۔

'' شاید بچپن میں وہ کسی ایسی واردات یا حادثے سے دوچار ہوا تھا جس نے اسے نفسیاتی اور ذہنی طور پر ہمیشہ کے لئے عدم تحفظ کا شکار بنا دیا تھا ۔ یا پھر اس کی شخصیت پر جاسوسی ناولوں کا جو ہر وقت پڑھتا رہتا تھا ، گہرا اثر تھا۔ ان ناولوں کا وہ اتنا دیوانہ تھا کہ کئی بار امتحانوں میں بھی فیل ہو جاتا تھا۔''(۲۷)

عدم تحفظ کا یہ احساس اس کی روزمرہ زندگی میں ایک عذاب کی شکل اختیار کر گیا تھا ۔وہم اور خوف کے شکنجے میں جکڑا ہوا یہ شخص باطنی طور پر بے حد کمزور نظر آتا تھا۔منشا یاد نے بڑی فنکاری سے اس کردا رکی نفسیات ، ذہنی صورتِ حال ، عادات و اطوار، عدم تحفظ کے احساس اور ''خوش خوراکی''کو بیان کیا ہے ۔ اس افسانے میں افسانہ نگار نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ کس طرح کم ظرف انسان دوسروں کے احساسات و جذبات کو پامال کرتا ہے۔ اور اپنی تسکین کے لئے اس کو کھلونا بنا کر برباد ی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ منشا یاد کا یہ کردار ''شرفو''ایک سچا اور حقیقی کردار ہے کیونکہ لوگوں کے اندر چھپی ہوئی خباثتیں لمحہ بہ لمحہ ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ان کا کوئی مداوا نہیں ہے۔منشا یاد کی شخصیت اور فن (کردار نگاری)کے بارے میں مختلف ناقدین نے آراءکا اظہار کیا ہے ۔منشا یاد کی انسان دوستی اور ادب میں دلچسپی کے بارے میں ممتاز مفتی کا کہنا ہے:

''شخصیت کے لحاظ سے دورنگی ہے۔ بیک وقت اس کی شخصیت سرخ بھی ہے اور سبز بھی۔ اس میں قیام بھی ہے اور حرکت بھی۔ پانی بھی ہے اور دوسری پھیکی وہ دونوں آپس میں ملی جلی ہیں مگر ایک دوسری پراثر انداز نہیں ہوتیں۔ سو کنیں ہونے کے باوجود آپس میں لڑتی جھگڑتی نہیں۔ یوں گھر میں یک جہتی کی فضا قائم رہتی ہے ۔منشا یاد ذات کا انجینئر ہے لیکن اس کی گاڑی سے انجینئروں کی نہیں بلکہ ادیبوں کی بو آتی ہے۔ چوں کہ اس نے ادیبوں کو ڈھونے کا کام اپنا رکھا ہے گھر سے محفل تک، محفل سے گھر تک منشا یاد کی نوٹ بک میں ادیبوں کے اپ ٹوڈیٹ پتے فون نمبر اور دیگر کوائف ریکارڈ کئے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ہم سب اسے ادبی انسائیکلوپیڈیا سمجھتے ہیں۔''(۲۸)

منشا یاد انتہائی شریف، سادہ طبیعت، روشن خیال اور سائنٹفک سوچ رکھنے والا نیک دل آدمی ہے۔اس کے رویے اور اس کی تحریریں انہی الفاظ کے گرد گھومتی ہیں۔ ان کی طبیعت اور شخصیت کی گونا گوں خوبیوں کے بارے میں اکبر حمیدی کا کہنا ہے کہ

''وہ انتہائی حد تک شریف آدمی ہے یا شاید بزدل کہ ہر شریف اور سفید پوش آدمی اصل میں بزدل ہوتا ہے۔''(۲۹)

منشا یاد کی شخصیت، شرافت اور مقام و معیار کے بارے میں ڈاکٹر صلاح الدین دوریش کا کہنا ہے:

''اردو افسانہ نگار ابھی تک عالمی سطح پر عالمی ادب میں اپنی پہچان نہیں بنا پائے ہیں منشا یاد محنتی اور شریف آدمی ہیں۔ ان کے ناول ''ٹاواں ٹاواں تارا'' کوٹی وی کی وجہ سے بہت شہرت ملی۔ ان کے افسانوں میں کرداروں کا ایک جہاں آباد ہے۔ زندہ افسانہ نگاروں میں منشا یاد صف اول کے افسانہ نگار ہیں۔''(۳۰)

منشا یاد کی فن افسانہ نگاری کی انفرادیت کے بارے میں عطاءالحق قاسمی کا کہنا ہے کہ:

''افسانہ منشی پریم چند سے چلتا ہوا، انتظار حسین تک، اور انتظار حسین سے منشا یاد تک پہنچا ہے، اور اس کے سارے پیش رو اس پر فخرکرتے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اب عہد جدید تر میں منشا سے بڑا افسانہ نگار کوئی نہیں۔ آج کا اردو افسانہ اگر شہر ہے تو منشا یاد اس شہر کا دروازہ ہے۔''(۳۱)

اور بقول امجد اسلام امجد:

''محمد منشا یاد میرے نزدیک جدید اردو افسانے کا سب سے معتبر حوالہ ہے۔''(۳۲)

منشا یاد کی افسانہ نگاری کے بارے میں جمیل آذر اپنے خیالات کو یوں مرتسم کرتے ہیں:

''منشا خواہ کسی بھی تکنیک میں افسانے لکھے۔ اس کا بنیادی مقصد اظہار انسانی فطرت کی بو قلمونی ہوتا ہے۔ جسے وہ فنی رچاؤ اور سبھاؤ کے ساتھ پیش کرتاہے۔ منٹو کے بارے ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ صرف اور صرف افسانہ نگار تھا۔ یہی بات منشا پر صادق آتی ہے کہ منشا بھی صرف اور صرف افسانہ نگار ہے۔ وہ افسانہ لکھتا ہے اور دیگر افسانہ نگاروں کے منتخب افسانے تالیف کرتا ہے۔ میری دانست میں منٹو کے بعد منشا یاد اردو افسانے کا سب سے بڑا قدر آور افسانہ نگار ہے۔''(۳۳)

کہانی کی باز یافت اور منشا یاد کی افسانہ نگاری کے بارے میں انتظار حسین کا کہنا ہے کہ :

''اب اگر اس دور میں کسی کے ہاں کہانی آپ کو تلاش کرنی ہے تو وہ منشا یاد ہی ہیں۔ بلکہ یوں کہناچاہیے کہ بعض کو دیکھ کر کہانی بھاگی اور منشا یاد کی انگلی پکڑ کر واپس آئی۔''(۳۴)

اشفاق احمد منشا یاد کی افسانہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''منشا یاد کے فن میں گور گی اور موپاساں جیسے عظیم افسانہ نگاروں کی روحیں شامل ہو گئی ہیں۔ اس کی کہانی کی ساخت گورگی جیسی ہے اور چونکا دینے والا اختتام موپاساں جیسا ہے۔ کہانی کے فنی ارتقاءمیں منشاءیاد کی کہانیاں یقینا ایک بڑی چھلانگ ہیں۔''(۳۵)

منشا یاد نے علامتی، تجریدی اور روایتی افسانے لکھے وہ ماضی کی روایت سے اپنا رشتہ فن کو برقرار رکھتے ہوئے عصری تقاضوں کا شعور لیئے ہوئے مستقبل کی طرف اپنا فنی سفر جاری رکھتے ہوئے ہیں۔ حقیقت اور علامت کو ایک دوسرے کے قریب رکھا اور کہیں بھی کہانی پن کو دھندلانہ ہونے دیا۔ علامتی افسانہ نگاری کے بارے میں منشا یاد کی عظیم کاوشوں کے بارے میں ممتاز مفتی کا کہنا ہے۔

''منشا یاد کی کہانیاں حقیقت پسند روایتی کہانیوں اور دور حاضر کی علامتی کہانیوں کے درمیان ایک پل ہے۔ منشا یاد علامت کو اس انداز میں استعمال کرتا ہے کہ بات مزید نکھر جاتی ہے۔ ابہام پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے کرداروں سے مٹی کی خوشبو آتی ہے وطن کی یادتازہ ہو جاتی ہے ---اسلام آباد میں ادبی آلودگی کی تمام تر ذمہ داری منشا یاد پر عائد ہوتی ہے۔''(۳۶)

منشا یاد ادب کے بارے میں اپنے نظریات کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ افسانوں کی حالت کو بہتر بنانا، دنیا کو استحصال، جھوٹ، ریاکاری، تعصب، ظلم، غلامی، جبراورافلاس سے نجات دلانے کے لیے ادب ایک بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ادب کو پراپیگنڈہ نہیں بننا چاہیے۔ منشا یاد کے نزدیک ادب کو ایسا وسیلہ ہونا چاہیے جو انسان کو معاشرتی برائیوں کے بارے میں سمجھنے، سوچنے اور نجات دلانے کی قوت عطا کر سکے۔ کیوں کہ کہانی کا ریا ادیب بھی اسی معاشرے کا حصہ ہوتا ہے۔ جس معاشرے کی کہانی بُن رہا ہوتا ہے۔ افسانہ جن واقعات و حالات کی ترجمانی و عکاسی کر رہا ہوتا ہے۔ یہ ترجمانی و عکاسی حقیقت میں افسانہ نگار کی اپنی آگہی اور شعور کا فنکارانہ اظہار ہوتی ہے۔ کہانی کے بارے میں منشا یاد کا کہنا ہے کہ:

''کہانی اور میں ایک ساتھ کھیل کر بڑے ہوئے ہیں۔ میں غالباً ساتویں جماعت میں تھا جب میری پہلی کہانی بچوں کے ایک رسالے میں شائع ہوئی تھی۔ آج بھی میرا ذہن ہر وقت کہانیوں سے لبالب رہتا ہے۔ مجھے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ میں ان سب کو لکھ سکوں۔ میں کہانی خود نہیں سوچتا۔ کہانیاں مجھے ڈھونڈلیتی ہیں اور آسیب کی طرح چمٹ جاتی ہیں۔ میرے ذہن میں شہد کی مکھیاں سی بھنبھناتی رہی ہیں۔ ایک کہانی لکھ کر ابھی فارغ نہیں ہوتا کہ دوسری چھتا لگا لیتی ہے۔''(۳۷)

منشا یاد عصرِ حاضر کے افسانے میں علامت نگاری سے متعلق بات کرتے ہوئے اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

''ہم عصر افسانہ نگاروں کی روایت، علامت اور تجرید کو منشا یاد بہت پسند کرتے ہیں۔ منشا یاد

اس روایت کو کامیاب روایت کہتے ہیں۔ ایجاز و اختصار اور تاثر انگیزی اس کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ جو کہانی کو افسانہ کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں منشا یاد کے نزدیک مطالعہ کے لائق (Readabality)کا ہونا اولین شرط ہے۔''(۳۸)

15اکتوبر 2011ءکو منشا یاد کی اچانک موت نے اردو ادب میں ایک خلا پیدا کر دیا ہے۔ منشا یاد کی وفات پر امجد اسلام امجد نے روزنامہ ایکسپریس میں اپنے کالم ''چشمِ تماشا''میں اظہارِ خیال کیا ہے :

''منشا یاد کی رحلت اردو ادب کا نقصانِ عظیم تو ہے ہی لیکن بطور انسان اور دوست اس کی کمی مجھے ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔کہ ایسے پیارے مخلص اور غنی انسان نہ تو روز روز پیدا ہوتے ہیں اور نہ ہی آسانی سے ہاتھ آتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رہتی دنیا تک اس کا نام اردو کے صف اوّل کے کہانی کاروں میں شامل رہے گا۔ ''(۳۹)

افسانے کے مختصر کینوس کے باعث ایک عمومی تصور یہ ہے کہ افسانے میں کردار کا ارتقاءاس حد تک ممکن نہیں جس حد تک ناول میں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تصور ایک مفروضے یا مغالطے پر مبنی ہے کیوں کہ اردو افسانہ اس بات کی کئی شہادتیں فراہم کرتا ہے۔ کہ مختصر کینوس کے باوجو د اس میں زندہ اور لافانی کردار تخلیق ہوئے ہیں۔ اور ان کا داخلی ارتقاءبھی بڑا واضح ہے۔ یہی وجہ ہے اُردو افسانہ یاد گار اور لازوال افسانوی کرداروں کے حوالے سے کبھی تہی دامن نہیں رہا ۔اردو افسانے کی روایت میں بیسویں صدی کے نصف آخر میں ایک نام اپنی تخلیقی توانائی اور انفرادیت کے باوصف بہت نمایاں ہے اور وہ منشایادہے۔ منشا یاد اپنے عہد کے افسانہ نگاروں سے یکسر مختلف اور ممتاز ہے۔ کیوں کہ''وہ'' واحد کہانی کار ہے۔ جس کے ہاں وسیب کا ہر رنگ اور ذائقہ اپنی پہچان لے کر نمودار ہوا ۔ یہ ایسا فن کار ہے جو ہماری دنیا کے ہر پہلو ، ہماری زندگی کے ہر حادثے اور ہمارے تخیل کے ہر تاریک یا روشن کونے کو اپنی گرفت میں آسانی سے لے لیتا ہے۔ اُسے گم شدہ چیزوں، بظاہر بے وجہ وعدہ خلافیوں اور بے سبب محرومیوں کے بیان کرنے پر کمال ملکہ حاصل ہے۔ وہ چھوٹے موٹے ، مفلوک الحال لوگوں کے دلوں میں اتر کر ان کی ا ضطرابی کیفیت ، تنہایوں اور ان کی ناکامیوں کے راز کو اپنے دل نشین انداز اور سادہ زبان میں قاری تک پہنچانے کا ہنر خوب جانتا ہے۔ اس کے افسانوں میں محسو سات کا بیش بہا خزانہ ہے جو ان کے کرداروں میں چھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔

منشا یاد کے افسانوں میں کرداروں کا ایک ہجوم نظر آ تا ہے۔ یہ کردار اگرچہ بے توقیر اور مفلوک الحال، بھوک ، ننگ اور نفرت کے مارے اور ستائے ہوئے لوگ ہیں لیکن اپنے اندر احساسات اور جذبات رکھتے ہیں ۔مٹی کے مادھو نہیں۔ یہ اپنے اپنے مقام پر ڈٹے ہوئے حساس لوگ ہیں جو نعرے نہیں لگاتے لیکن رد عمل کا حیرت انگیز مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے رد عمل سے انسان چونک چونک جاتا ہے۔ منشا یاد نے اپنے افسانوں کے بیشترکردار متوسط اور نچلے طبقے سے لیے ہیں جو اپنے طبقے کی نمائندگی بھر پور انداز میں کرتے ہیں ۔ یہ کردار دیہاتی اور شہری دونوں طرح کے ہیں ۔ ان کے افسانوی کردار پس ماندہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے سر پر آسمان ہے اور نہ پاؤں تلے زمین ۔ زمانے نے ان کو دھکے کھانے اور سسک سسک کر جینے کے لئے جلتی دھوپ اور تیز آندھیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ اپنے اپنے دکھوں کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کرتے جاتے ہیں اور ان کی صورت حال میں تبدیلی کا بہت کم امکان ہوتا ہے۔

منشا یاد کے افسانوں میں مرد کرداروں کے پہلو بہ پہلو توانا نسوانی کردار بھی نظر آتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق دیہات سے ہے۔ ان سب کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ محبت ، شفقت ان کا مقدر نہیں ہے۔ اِن کرداروں کی پیش کش کے حوالے سے منشا کا سب سے بڑا ہنر یہ ہے کہ اس نے ہر کردار کو تخلیق کرتے ہوئے اس کو اپنے اندر محسوس کیا ۔ با الفاظ دیگر خود اِن میں حلول کر گیا۔ اس لئے ان کرداروں کی ذہنی ا ور نفسی کیفیت ان کے اندر کروٹیں لیتے اضطراب اور کسی لمحہ خاص میں ان کے باطن کا ظہور یہ سب مرحلے بڑی خوبصورتی سے نمایاں ہوتے جاتے ہیں ۔ چوں کہ وہ خود

اپنے کرداروں میں ڈھل جاتا ہے، اس لئے ان کے کردار سچے اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ ایک سوال ابھرتا ہے کہ منشا یاد کے یہ کردار زندہ کیوں ہیں تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ کردار ہمارے جیتے جاگتے سماج اور معاشرے کے لوگونکا نفسیاتی مطالعہ بہت گہرائی سے کر کے تخلیق کئے ہیں۔منشا یاد کی یہ حقیقت پسندی،منفی سوچ رکھنے والوں کی ذہنی سطح سے ٹکراتی ہی نہیں بلکہ ان کے ذہن میں روشنی اور آگہی بن کر سرایت کر جاتی ہے جس کے باعث ارد گرد کا ماحول بھی اُجلا ہو جاتا ہے ۔ یہ روشنی اور آگہی انسانی زخموں پر پھوار بن کر گرتی ہے اور مرہم کا کام دیتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمدمنشایاد:''یادیں ''''' خودنوشت''، www.manshyad.com
۲۔ اسلم سراج الدین، **محمد منشا یاد شخصیت اور فن**، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان،اشاعت اول،۲۰۱۰ء، ص۸۳
۳۔ انوار احمد،ڈاکٹر،**اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ**،فیصل آباد: مثال پبلشرز، اشاعت دوم۲۰۱۰ء، ص۲۳۹
۴۔ محمد منشا یاد،**ماس اور مٹی**،**راستے بند ہیں**، فیصل آباد: مثال پبلشرز، اشاعت دوم ،۲۰۱۰ء، ص۱۵
۵۔ ایضاً، ص۲۱
۶۔ ایضاً، ص۲۳
۷۔ ایضاً، ص۲۳
۸۔ ایضاً، ص۵۳
۹۔ ایضاً،ص۵۳
۱۰۔ محمدمنشا یاد ، **خلا اندر خلا** ، **تماشا** ،اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء، ص۲۲
۱۱۔ ایضاً،ص۳۹
۱۲۔ ایضاً،ص۱۸۳
۱۳۔ محمد منشا یاد ، **وقت سمندر** ،**سارنگی**،اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ،۲۰۰۹ء ،ص۳۸
۱۴۔ ایضاً،ص۱۰۷-۱۰۸
۱۵۔ محمدمنشایاد، (شجر بے سایہ)، **"درخت آدمی"**، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ،۲۰۱۰ء، ص۱۲
۱۶۔ محمدمنشایاد، **پنج کلیان**، ص۵۹
۱۷۔ ایضاً، ص۵۹
۱۸۔ ایضاً، ص:۵۶-۵۷
۱۹۔ ایضاً، ص۶۳
۲۰۔ ایضاً، ص۶۴
۲۱۔ محمدمنشایاد،"کرمو مالی"،**درخت آدمی**، ص۱۹۱
۲۲۔ اقبال آفاقی ،ڈاکٹر ،**منشایاد کے منتخب افسانے**، فیصل آباد: مثال پبلشرز، اشاعت دوم، ۲۰۰۹ء ، ص۳۴
۲۳۔ محمد منشا یاد، "ساجھے کا کھیت"،**تماشا**، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء، ص۳۱
۲۴۔ ایضاً، ص۵۰
۲۵۔ ایضاً، ص۳۱-۳۰
۲۶۔ ایضاً، ص۳۱
۲۷۔ محمدمنشا یاد، **ایک کنکر ٹھہرے پانی میں**، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء،ص۱۱۶
۲۸۔ محمد منشا یاد،''درخت آدمی''، رائے ممتاز مفتی، ص
۲۹۔ اکبر حمیدی، ' 'مت سہل ہمیں جانو''،مشمولہ ؛ **طلوع افکار**، اپریل۱۹۹۵ء،ص۳۰
۳۰۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر: **امت اللطیف**، (مقالہ برائے ایم فل اردو،i.u.b)کے نام خط، ۲۰۱۱-۰۵-۱۰
۳۱۔ عطاءالحق قاسمی ،مشمولہ ؛ماہنامہ **بیاض** ،لاہور: ، شمارہ مئی۲۰۰۸ء، ص۶۴
۳۲۔ امجد اسلام امجد، "دیباچہ"مشمولہ؛**محمد منشا یاد کے منتخب افسانے**،نئی دہلی: ادب پبلی کیشنز،۱۹۹۳ء
۳۳۔ اسلم سراج الدین، **محمد منشا یاد شخصیت اور فن**،رائے جمیل آذر، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان،اشاعت اول، ۲۰۱۰ء، ص۲۹۹
۳۴۔ انتظار حسین ، "فلیپ" مشمولہ ؛**درخت آدمی**از محمد منشا یاد ،
۳۵۔ رائے اشفاق احمد ،**درخت آدمی**از محمد منشا یاد،
۳۶۔ اسلم سراج الدین ،**محمد منشا یاد شخصیت اور فن**،رائے جمیل آذر، ص۲۹۹
۳۷۔ محمدمنشایاد،**"یادیں"**،'' **خودنوشت**''، www.manshyad.com
۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ ا مجد اسلام امجد ، **چشمِ تماشا**مشمولہ ؛ **ڈیلی نیوز** ایکسپریس،۱٦۔ اکتوبر ۲۰۱۲ء